شہزادہ فیروز شاہ

بدر الزماں نیپالی

شہزادہ فیروز شاہ کے بارے میں، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء پر لکھی گئی ہر کتاب کے اندر کچھ نہ کچھ معلومات فراہم کی گئی ہے لیکن خدا جھوٹ نہ بلوائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ مولانا غلام رسول مہر کے علاوہ شاید کسی نے بھی بہتر معلومات نہیں حاصل کی ہیں، گو مہر صاحب نے بھی جو کچھ بتایا ہے اس میں اضافہ کی گنجائش ہے۔

شہزادہ کب اور کہاں پیدا ہوا اس کا جواب کسی کے پاس نہیں ہے۔ اگرچہ قیاس آرائیوں کے ذریعہ جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے البتہ اس کی وفات، اور وفات کے وقت اس کی جائے رہائش کے بارے میں تمام تذکرہ نگاروں اور جنگ آزادی پر قلم اٹھانے والوں نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے لیکن بدقسمتی سے سب کی تصریحات باہم متضاد ہیں یا علی الاقل ان میں سے کوئی بھی بیان قابل قبول نظر نہیں آتا۔ میرا یہ دعوی نہیں ہے کہ میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں حرف بہ حرف صحیح ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس کی وفات اور سکونت واقعات کے سلسلے میں تمام روایات کے اندر تطبیق کی صورت نکالی گئی ہے یا کم سے کم ایک اور روایت کا اضافہ کیا گیا ہے جو بہت حد تک قابل قبول ہے۔

شہزادے کی ابتدائی زندگی کے بارے میں مہر صاحب کے استدلالات بہت حد تک معقول ہیں اس لئے ایک لمبا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

"اس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ شہزادہ فیروز شاہ مغلوں کے شاہی خاندان کا ایک معزز رکن تھا لیکن اس کے نسب کا معاملہ ذرا تشریح طلب ہے قیصر التواریخ کا بیان ہے

کہ شہزادہ فیروز شاہ میرزا ناظم بخت کا بیٹا تھا اور فرخ سیر کا نواسہ تھا (۱) مفتی انتظام اللہ فرماتے ہیں کہ ناظم بخت شاہ و عالم ثانی کا فرزند تھا (۲) مجھے شاہ عالم ثانی کی پوری اولاد کا نقشہ بہ تعین تاریخ ولادت نہ مل سکا البتہ یہ معلوم ہے کہ شاہ عالم کا بڑا بیٹا میرزا جواں بخت تھا جو ابتداء میں ولیعہد ہوا اس کی وفات پر دوسرے بیٹے کو ولیعہد بنایا گیا جو معین الدین اکبر شاہ ثانی کے لقب سے ۱۸۰۶ء میں مسند نشین ہوا اکبر شاہ کی تاریخ ولادت ۱۷۶۰ء ہے اس سے ناظم بہرحال چھوٹا ہوگا۔ اب سوچئے کہ فرخ سیر کی وفات ۱۷۱۹ء میں ہوئی اگر اس کی کوئی بیٹی ۱۷۱۹ء میں بھی پیدا ہوئی تو وہ ناظم بخت کی ولادت تک بہت بوڑھی ہو چکی ہوگی لہذا محولہ بالا بیان قابل قبول نہیں ہاں یہ مان سکتے ہیں کہ شہزادہ فیروز شاہ کا رشتہ والد اور والدہ دونوں جانب سے بہادر شاہ اول ابن عالمگیر اعظم سے ملتا تھا۔ والد کی جانب سے شاہ عالم ثانی، عالمگیر ثانی اور جہاندار شاہ کے واسطے سے والدہ فرخ سیر کی کسی بیٹی کی اولاد میں سے ہوگی۔ خود فرخ سیر عظیم الشان ابن بہادر شاہ اول کا بیٹا تھا۔

تاریخ پیدائش کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ جنگ آزادی کے وقت شہزادہ فیروز شاہ نے خوب سرگرمی دکھائی اور اس کی عمر زیادہ سے زیادہ چالیس اور پچاس کے درمیان ہونی چاہئے۔ بعض روایتوں میں بتایا گیا ہے کہ وہ ۱۸۹۵ء تک زندہ تھا بلکہ میرے پاس تو ایک ایسی روایت بھی موجود ہے جس میں ۱۹۰۵ء تک اس کا زندہ ہونا بتایا گیا ہے (۳) جو صاحب سے شہزادہ ملا تھا ان کا بیان ہے کہ عمر ستر اور اسی کے درمیان ہوگی۔ اس وجہ سے سمجھنا چاہئے کہ شہزادہ کی ولادت ۱۸۲۰ء اور ۱۸۳۰ء کے درمیان ہوگی بے شک یہ محض قیاس ہے لیکن اس کی بنیادیں خاصی معقول ہیں۔ ......

شہزادے کے متعلق بتایا گیا ہے کہ والد نے علوم مروجہ اسے بخوبی سکھا دیے تھے اور فنون حرب کی مشق بھی اس قدر کرادی تھی کہ وہ تمام فنون میں ماہر ہو گیا تھا۔ یہ چیزیں اس عہد کی تعلیم و تربیت میں شامل تھیں اور شہزادوں کے تعلق میں تو انکا خاص خیال رکھا جاتا تھا۔

بعد میں شہزادے نے جس سرگرمی سے جہاد آزادی میں حصہ لیا اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا طریق زندگی وقت کے عام شہزادوں کے خلاف خاصا سپاہیانہ اور جفاکشانہ تھا۔ اگر وہ بھی دوسرے شہزادوں جیسا ہوتا تو چپ چاپ کہیں بیٹھا ہوتا یا کسی لڑائی میں حصہ لیتا تو جوش ہمت اور استقامت کے وہ ثبوت پیش نہ کرتا جن کی تفصیل آپ آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

مفتی انتظام اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی طبیعت کا رجحان مذہب کی طرف زیادہ تھا شب و روز اوراد و وظائف کا مشغلہ رہتا تھا۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ شہزادے نے بالاہتمام حج کیا اور اس زمانے میں حج کے لئے اتنی سہولتیں میسر نہ تھیں جتنی کہ ہمارے عہد میں میسر ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شہزادہ ۱۸۵۶ء میں حج کے لئے گیا اور اس سال اس نے حج کیا جو ۱۱ر اگست ۱۸۵۶ء کو ہوا تھا پھر غالباً مدینہ منورہ کی زیارت کرتا ہوا ۱۸۵۷ء میں ہندوستان آیا اور وہ وسط اگست ۱۸۵۷ء میں کھرود پہونچا جو مندسور کے قریب ایک مقام ہے۔ اس سے خیال ہوتا ہے کہ شہزادہ سورت سے جہاز پر سوار ہوا تھا اور اسی بندرگاہ پر واپس آیا (۲)

مہر صاحب غدر ہند کا ایک بھولا ہوا باب نامی کتاب سے آگے نقل کرتے ہیں جسے ریاست مالوہ کے اندر ریزیڈنٹ کے طور پر مامور لفٹنٹ جنرل شاورز نے لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "وسط اگست میں مالوہ کے اندر سرکشی نے خاصی خطرناک صورت اختیار کرلی تھی اس کی سالاری کا منصب فیروز شاہ نام ایک مذہب دوست اور مجاہد شہزادے نے سنبھال لیا۔ مندسور کے مسلمانوں نے دوسرے طبقوں کو ساتھ ملاکر ریاست گوالیار کی حکومت ختم کردی۔ اور شہزادے کی حکمرانی کا اعلان کردیا۔ وہاں بہت سے میواتی، مکرانی اور افغانی موجود تھے وہ ساتھ ہوگئے مندسور کا حاکم اور کوتوال زخمی ہوئے۔ ایک افسر مارا گیا پھر حاکم کے محل پر حملہ ہوا"، وغیرہ وغیرہ۔

آگے لکھتے ہیں "میرا اندازہ ہے کہ شہزادہ جلد سے جلد دہلی پہونچنا چاہتا تھا تاکہ اس مرکز کو تقویت پہونچائی جائے جس پر باقی حصوں میں جنگ جاری رکھنے کا انحصار تھا۔ قیصر التواریخ کا بیان ہے کہ شہزادہ گوالیار سے دھول پور پہنچا اور وہاں کے تحصیلدار سے ایک لاکھ روپیہ لیا مگر وہاں دہلی کے فتح ہو جانے کی خبر سنی تو آگرہ کا رخ کیا، ایک روز آگرہ کا محاصرہ بھی جاری رکھا بعد ازاں میوات چلا گیا وہاں سے شیخ فضل الٰہی رسالدار اور جرنل عبد الصمد خاں کو ساتھ لے کر فرخ آباد اور شاہجہاں پور ہوتا ہوا لکھنؤ پہونچ گیا" (۵)

شاورز کے بیان سے ظاہر ہے کہ شہزادہ فیروز شاہ نے حج سے واپس ہندوستان پہونچتے ہی مجاہدین آزادی کی قیادت مالوہ کے اندر سنبھال لی تھی اس کے بعد وہ مختلف معرکوں میں حصہ لیتا رہا لیکن سب سے اہم جگہ دہلی پہونچکر وہاں مجاہدین کا ساتھ دینا ضروری تھا تاکہ دہلی جیسے مرکزی مقام پر انگریزوں کا تسلط نہ ہو سکے چنانچہ قیصر التواریخ کی تصریح کے مطابق اس نے دہلی کا رخ کیا لیکن دہلی کے مفتوح ہونے کی خبر پاکر آگرہ کا محاصرہ کیا پھر میوات چلا گیا یہی وہ وقت ہے جب شہزادہ کو میوات سے ایک خاص تعلق ہوا اور تا حین حیات برقرار رہا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہزادہ دہلی فتح ہونے کے بعد میوات آیا اور کچھ وقت یہاں ٹھہر کر اس نے اپنی ایک مستقل قرارگاہ بنائی اور پھر لکھنؤ وغیرہ کی طرف روانہ ہوا اب اس نے میوات کو اپنے محفوظ گھر کی طرح استعمال کرنا شروع کر دیا چنانچہ خطرات کے وقت وہ اس خاموش اور مطمئن جگہ میں آ پہونچتا اور خطرات ٹل جانے پر پھر مہم پر چلا جاتا تھا۔

قیصر التواریخ میں تو صرف میوات جانے کا ذکر ہے اب میوات جانے کی تفصیل آپ کے سامنے رکھی جاتی ہے۔ سید احمد شہید کے مجاہد ساتھیوں میں سے ایک کا نام ڈاکٹر منظور محمد ہے ان سے حکیم عبد الشکور شکراوی میواتی نے میوات کے مجاہدین کے بارے میں ایک بیان نقل کیا ہے اس میں کافی معلومات فراہم کی گئی ہیں اس لئے اسے بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

"غالباً جولائی [illegible] (۶) کی بات ہے چار اشخاص میرے پاس پہونچے جن کے خوبصورت

چہرے کملائے ہوئے تھے مگر پانی جلال شاہی ان کی زبانوں سے مجھے محسوس ہو رہی تھی، تھوڑی دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے اور سحر کھائے اور پانی سے فارغ ہو کر میں نے انھیں اپنے مکان میں آرام کرنے کے لئے کہا تھوڑی دیر آرام بھی انھوں نے کیا مگر ایک شخص ان میں سے کبھی کراہتے تھے، میں نے ان کی کراہت (؟) سن کر ان سے کہا کہ آپ کو کیا تکلیف ہے انھوں نے مجھے بتایا کہ میرے پیر میں بندوق کی گولی لگی ہے ہر چند اس کو نکالنے کی کوشش کی گئی مگر ناکامی رہی میں نے کہا ذرا دکھاؤ انھوں نے مجھے دکھایا ان کے پیر میں گولی پھنسی ہوئی تھی، مجھ سے نکالنے کو کہا میں نے آلات جراحی کے ذریعہ اس کو نکال لیا وہ اس قدر مضبوط دل کے آدمی تھے کہ عمل جراحی کرنے پر انھوں نے آہ بھی نہ کی۔ میں نے خراب ساختوں کو نکال کر ان کی مرہم پٹی کر دی اور ان پانچوں (غلط ہے صحیح چاروں ہے) کو بادشاہ پور کے شمال کی طرف دو فرلانگ کے فاصلے پر جو گنبد ہے اس میں ٹھہرا دیا وہ کئی دن تک ٹھہرے رہے میں ان کو رات میں کھانا پہونچا دیا کرتا تھا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انگریزوں کو دہلی پر تغلب (غلبہ) حاصل ہو گیا تھا اور باغیوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو چکی تھی ایک دن صبح کو جو میں بازار میں نکلا تو چند آدمی یہ گفتگو کر رہے تھے کہ "گنبد میں کچھ آدمی ٹھہرے ہوئے ہیں دن میں اندر رہتے ہیں گاہے گاہے اکے دکے پیشاب پاخانہ کو بھی آتے جاتے دیکھا گیا ہے" میں سمجھ گیا کہ اب ان لوگوں کا راز فاش ہو چکا ہے ان کو گنبد میں رکھنا مناسب نہیں چنانچہ اسی رات کو میں ان حضرات کے پاس پہونچا اور افشائے راز کا واقعہ جس طرح میں نے سنا تھا ان کے سامنے بیان کر دیا۔ یہ لوگ رات ہی کو میوات کی طرف چلے گئے۔ ان میں سے میں دو آدمیوں کو پہچانتا تھا باقی دو کو بعد میں بھی نہ پہچان سکا پہلے بزرگ تو وہی ہیں جن کے پیر سے میں نے گولی نکال کر مرہم پٹی کی تھی اور وہ مولوی محمد مرید تھے جو فیروز پور جھرکہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ دوسرے مولوی نور علی تھے جو ریواڑی میں مقیم ہو گئے تھے اور میوات کو ان سے بڑا فیض پہونچا۔

اس بیان کے بعد حکیم صاحب لکھتے ہیں "ڈاکٹر صاحب کے اس بیان سے مجھے جستجو ہوئی کہ

وہ دو حضرات کون بزرگ تھے جو مولوی نور علی اور مولوی محمد فرید صاحبان کے ساتھ تھے۔ میں نے میوات میں ان آدمیوں کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ایک بزرگ تو وہ تھے جو موضع کھیتی کی ریاست الور (۹) میں خوانی خاں کے یہاں مقیم تھے اور عام لوگ اس مجاہد کو حضور کہا کرتے تھے۔ دوسرے بزرگ وہ ہیں جو اہل میوات کے لئے ایک عرصے تک عجوبہ بنے رہے جو بہت بڑے سیاح اور صوفی و عالم بھی تھے، جو موضع بھونری میں تقریباً چالیس سال تک مقیم رہے اور جو میوات کے نواح میں مولوی ابو الحسن کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔(۱۰)

مذکورۃ الصدر روایت میں جس چوتھے آدمی کا ذکر ہوا ہے۔ اس کے بارے میں خط کشید عبارت کو غور سے پڑھیے اور "عجوبہ بنے رہے" اور "ابوالحسن کے نام سے مشہور ہو گئے" پر گہری نظر ڈالئے۔ پھر فیروز اور ابوالحسن کے حالات کا من کل الوجوہ مطالعہ کیجئے۔

شہزادہ فیروز کے بارے میں تمام تذکرہ نگاروں اور جنگ کی تاریخ لکھنے والوں کا اتفاق ہے کہ وہ کسی ایک جگہ پر مورچہ بند نہیں ہوا تھا بلکہ اس نے جگہ جگہ مورچے قائم کئے۔ لڑائیاں کیں، کئی جگہوں پر اسے فتح ہوئی اور کئی جگہوں پر شکست۔ اور جب جب اس کا پیچھا کیا گیا، اس پر چھاپے مارے گئے وہ کسی کے ہاتھ نہیں آیا بلکہ غائب ہو گیا اور پھر چند ہی دنوں بعد دوسری جگہ جا کر نمودار ہوا اس طرح اس نے ایک مدت تک انگریزوں کو پریشان رکھا اور ایک مرتبہ بھی ہاتھ نہیں آیا۔

میوات کے کئی بزرگوں نے اپنے بزرگوں سے یہ سن رکھا ہے کہ بھونری کے ابو الحسن کسی طرح سے آگئے لوگوں سے مجذوبانہ اور درویشانہ انداز میں پیش آتے، تعویز لکھتے اور دیکھتے دیکھتے چند ہی دنوں میں سیر و سیاحت کے لئے ایک لمبی مدت کے لئے نکل جاتے جب وہ بھونری میں رہتے تھے تو دہلی اور آگرہ کے بہت سے لوگ ان سے ملنے کے لئے آتے تھے، لیکن اس ملاقات کی نوعیت کیا ہوتی تھی میواتیوں کو اس کی کوئی اطلاع نہیں کیونکہ ان کے محسن نتھو نمبردار نے انہیں ایک کمرہ دے رکھا تھا جو ان کے لئے مخصوص تھا کوئی اس میں نہیں جاتا تھا اگر کوئی شخص دعا اور تعویز وغیرہ کے لئے وہاں چلا جاتا یا ان کے حکم کی ذرہ برابر خلاف ورزی کرتا تھا تو وہ اسے اپنے ڈنڈے سے پیٹ دیا کرتے تھے۔

اور مارنے میں کچھ بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

اب اگر دینی علم رکھنے والے مجاہد شہزادے کے بارے میں کہا جائے کہ وہ پناہ کے لئے میوات کے اس گاؤں کا انتخاب کر چکا تھا جہاں اس نے اپنے آپ کو مولوی ابوالحسن کے نام سے شہرت دے رکھی تھی تاکہ کسی جگہ سے یہاں پہونچنے پر وہ اجنبی نہ رہ جائے اور انگریزوں کی گرفت سے بچا رہے تو کوئی تعجب خیز بات نہیں کیونکہ میوات کے جاہل عوام سیاست سے کافی دور تھے انگریزوں میں گھلے ملے ایک مجذوب فقیر اور تعویذ لکھنے والے مولوی کے بارے میں یہ شبہ بھی نہیں کر سکتے تھے کہ فیروز شاہ جیسا زیرک سیاسی قائد ایسا ہو سکتا ہے۔ اس طرح شہزادے نے اپنی ایک پناہ گاہ تیار کر لی تھی۔

ابوالحسن نے پوری زندگی اپنے آپ کو مبہم رکھا اور عوام کے سامنے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں کون ہوں، میرا اصلی وطن کہاں ہے، میرا شغل کیا رہا ہے اور اس وقت میں کیا کرتا ہوں؟ یہی وجہ تھی کہ اپنے حجرے میں داخل ہونے والوں کو وہ مارکر زکال دیتے تھے۔ کیا عجب کہ وہ اپنے کمرے میں کچھ مشتبہ چیزیں رکھتے رہے ہوں جس سے لوگوں کو ان کے بارے کسی طرح کا شبہ ہوتا۔ اور شہزادہ فیروز شاہ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ آزادی وطن سے سرشار ایک مجاہد اور سپہ سالار تھا اسے تمام لوگوں سے اپنے آپ کو کس طرح بچا کر رکھنا تھا وہ خوب جانتا تھا جبھی تو وہ انگریزوں کے ہاتھ کبھی نہ آیا۔

فیروز شاہ شہزادہ تھا اس کی وجاہت، رعب وداب اور شان وشوکت کا کیا پوچھنا۔ ابوالحسن کو دیکھنے والے بزرگوں کا تاثر مجھے اس طرح بتایا گیا ہے کہ ابوالحسن کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی شہزادہ ہے یہ چیز تو ان کی شہزادگی کو اور موکد کر دیتی ہے کہ دہلی کے جوہری ہیروں کی شناخت کے سلسلے میں بھونری آنے اور ابوالحسن سے پہچان کراتے تھے۔ بھلا کسی میدانی مولوی اور وہ بھی مجذوب فقیر کو ہیروں سے کیا واسطہ یہ تو جوہری کی چیز ہے یا پھر شاہ کی۔

ع قدر جوہر شاہ داند یا بداند جوہری

شہزادے کے بارے میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عام شہزادوں کی طرح وہ نہیں تھا بلکہ دین کا زبردست علم رکھتا تھا، بہت سے فنون کے اندر اسکو کامل دسترس تھی وہ ابتدا خروج کے لئے پھر جنگ کے سلسلے

میں اور پھر وطن کی آزادی کے امکانات تلاش کرنے یا اپنی جان بچانے کے لئے ایک زمانے تک کسی ایک جگہ نہیں بیٹھا اور برابر چلتا پھرتا رہا۔ اس شخصیت کا موازنہ ابوالحسن سے کیجئے اس کے بارے میں ان کو دیکھنے والے کا بیان ہے "مولانا ابوالحسن کوئی معمولی پڑھے لکھے آدمی نہیں تھے بلکہ جملہ علوم و فنون کے بڑے بھاری جید عالم تھے۔ فن مناظرہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ دینی تبلیغ کا بے پناہ جوش رکھتے تھے۔ انھوں نے تبلیغ کے سلسلے میں سارے ہندوستان کا سفر بھی کیا تھا علم کیمیا کے بارے میں بھی عام شہرت تھی کہ وہ علم کیمیا جانتے تھے" (۸)

دوسری جگہ ڈاکٹر نذر محمد کے مندرجہ بالا بیان پر استدراک کرتے ہوئے لکھتے ہیں "دوسرے بزرگ وہ ہیں جو اہل میوات کے لئے ایک عرصے تک تجربہ بنے رہے جو بہت بڑے سیاح اور صوفی وعالم بھی تھے جو موضع بھونڈسی میں تقریباً چالیس سال تک مقیم رہے اور ...... میوات کے نواح میں مولوی ابوالحسن کے نام سے مشہور ہو گئے تھے (۹)

ان بیانات کو سامنے رکھئے پھر دیکھئے کہ فیروز شاہ کی وفات اور ان کی آخری زندگی کے بارے میں لوگوں کے بیانات میں کتنا اختلاف ہے۔ جس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ اس کی آخری زندگی ہنوز پردۂ خفا میں ہے۔ صحیح صورت حال کی اطلاع اگر ہوتی تو لوگوں کے بیانات میں اختلاف ہرگز نہ ہوتا۔ اگر کچھ لوگوں نے غلطی کی ہوتی تو صحیح علم رکھنے والے کھل کر تردید کرتے حالانکہ کھل کر کوئی کسی کی بات کو غلط نہیں بتا رہا ہے اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کے پاس سنی سنائی باتیں اور قیاس آرائیاں ہیں ہاں جن کے پاس کوئی دلیل موجود تھی اس نے بہت حد تک ریمارک کیا ہے چنانچہ آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے پہلے لوگوں کے بیانات مختصراً نقل کیے جاتے ہیں۔ مہر صاحب نقل کرتے ہیں۔

پہلا بیان۔ "پھر وہ زائروں کا بھیس بدل کر کربلا چلا گیا اور ۱۸۵۸ء تک وہیں مقیم تھا"

دوسرا بیان۔ "حیدرآباد سندھ ہوتے ہوئے شہزادہ کابل گیا وہاں سے ایران و روس ہو کر حجاز پہونچ گیا مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کر لی جہاں مولانا رحمت اللہ کیرانوی، حاجی امداد اللہ تھانوی،

شاہ عبدالغنی دہلوی، مولانا یعقوب دہلوی مولانا شاہ اسحاق دہلوی، مولانا محمد مظہر مجددی ہدایت واصلاح کی غرض سے ایک جماعت بنانے بیٹھے تھے نواب فیض احمد خاں رئیس وناولی، مولوی واعظ الحق بہاری، حکیم نوازش حسین بہاری، اور شہزادہ فیروز شاہ بھی اسی جماعت کے رکن ہو گئے ایک ترکی خاتون سے نکاح کر لیا تھا صرف دو لڑکیاں یادگار چھوڑیں ۱۸۹۰ء کے بعد انتقال ہوا ان کی ایک ہمشیرہ کلثوم زمانی بیگم فقیرانہ لباس اختیار کرکے میرٹھ چلی گئیں اور باقی عمر نواب ممتاز علی خاں نبیرہ نواب تیغ انداز خاں کے یہاں بسر کردی، بھائی کے لئے دعائیں کرتی رہتی تھیں،، (۱۱)

تیسرا بیان۔ "قیصر التواریخ میں مرقوم ہے کہ کئی برس جے پور کے جنگلوں، بیکانیر یا دامن کہسار دکن میں سرگرداں رہا، وہاں قوم بھیل بھی شریک ہو گئی۔ آخر کار اٹک دریا اتر کر کابل سے داخل ملک ایران ہوا وہاں سے رہبر پاکر روس چلا گیا "کہتے ہیں کہ وہاں اپنی جماعت کے ساتھ بخوبی زندگی بسر کرتے ہیں وہاں کی سلطنت سے بہت ناموری کچھ کفالت ہوتی ہے" (۱۲)

چوتھا بیان: ...."یہ سید احمد شہید کی جماعت مجاہدین کے متعلق ذخیرۂ معلومات سے ماخوذ ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شہزادہ فیروز شاہ اپریل ۱۸۶۵ء میں جماعت مجاہدین کے امیر مولانا عبداللہ سے باجکٹہ (علاقہ بونیر سرحد آزاد) میں ملا تھا اور کچھ مدت وہاں قیام پذیر بھی رہا۔"

پانچواں بیان۔ "میرے عزیز دوست اولاد علی شاہ گیلانی (ادارۂ دائرۃ المعارف) نے بتایا کہ میں ۱۹۰۹ء اور ۱۹۱۰ء میں زیر تعلیم تھا ایک روز اپنے مکان کے اس کمرے میں بیٹھا تھا جو میرا دارالمطالعہ تھا اور بازار میں اس کا دروازہ کھلتا تھا۔ ایک بوڑھے بزرگ نے اس کا دروازہ کھولا ان کی آنکھوں میں ایسی کشش تھی کہ میں نے اعزاز سے انھیں اندر بلایا اور وہ دو روز اسی کمرے میں میرے پاس رہے انھوں نے بتایا کہ میں فیروز شاہ ہوں، کئی مرتبہ آیا ہوں۔ اب مجھ میں بہت زیادہ سکت باقی نہیں رہی اور ملک کے حالات میں بھی کوئی امید افزا جھلک نظر نہیں آتی صرف ایک جماعت مجاہدین میں ہمت ہے اور وہ جانداری دکھائی دیتی ہے شاہزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے برابر ڈر لگ رہا تھا کہ شہزادہ بہت بڑا سیاسی آدمی ہے مبادا اس کی وجہ سے کوئی آفت نازل

ہو جائے تاہم انھیں دیکھتا تھا تو بے اختیار عزت کرنے کو جی چاہتا تھا میں نے خود ان سے کچھ نہ پوچھا اور نہ اتنی سمجھ تھی کہ پوچھتا، جو کچھ وہ بتاتے رہے وہی سنتا رہا تاہم پچاس سال گذر جانے کے باوجود اس عجیب و غریب شخصیت سے ملاقات کے نقوش حافظے میں بالکل تازہ ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ واقعی فیروز شاہ تھے یا کوئی اور بزرگ تھے۔" (۱۳)

چھٹا بیان۔ مولانا محمد میاں صاحب ٹائمس آف کراچی کے حوالے سے لکھتے ہیں "شہزادہ فیروز شاہ کا انتقال نہایت غربت و مسرت میں مکہ معظمہ میں ۱۸۷۵ء میں ہوا" (۱۴)

ساتواں بیان محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں "بریلی کی جنگ کا خونریز معرکہ ختم ہوا تو ..... فیروز شاہ کچھ دنوں ادھر ادھر بھٹک بھٹکا کر خوش قسمتی یا ہوشیاری سے بچ نکلا اور مکے چلا گیا، کہتے ہیں کہ وہیں باقی زندگی فقیرانہ حالت میں گذار کر دنیا کو رخصت کیا" (۱۵)

آٹھواں بیان۔ خورشید مصطفیٰ رضوی کا بیان ہے کہ "۱۸۶۰ء میں شہزادہ قندھار میں تھا اور اس کے بعد ۱۸۶۱ء میں وہ بخارا کی طرف بڑھ رہا تھا..... ۱۸۶۲ء میں وہ وہاں سے پیچھے کو واپس ہوا اور طہران کا رخ کیا..... شہزادہ اگلے چند سال ہرات اور بخارا کے درمیان سفر کر رہا تھا ۱۸۶۹ء میں وہ خطرناک پوزیشن میں آ گیا یعنی ہندوستان کی سرحد پر وادی سوات میں کہا جاتا ہے کہ یہاں وہ سید احمد شہید کی جماعت کے رہنما مولانا عبداللہ سے بھی ملا اور اس کے بعد کابل چلا گیا..... امیر افغانستان نے اسے بدخشاں جانے پر مجبور کیا شہزادہ یہاں بھی زیادہ دیر نہ ٹھہرا اور اس کے بعد سمرقند میں دیکھا گیا..... اکتوبر ۱۸۷۲ء میں قسطنطنیہ میں تھا جہاں اکثر آزادی پسند ہندوستانی مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ ۱۸۷۵ء میں وہاں عام طور پر یہ خیال تھا کہ وہ مکہ چلا گیا لیکن یہ غلط تھا چنانچہ ایک انگریز جاسوس ہرمز نے جولائی ۱۸۷۵ء میں لکھا "میرے خبر رساں شخص کو سلطان ابراہیم کے ذریعہ فیروز شاہ سے ملایا گیا اور وہ اس کے پاس کچھ دیر بیٹھا وہ بیان کرتا ہے کہ شہزادہ بظاہر نہایت خستہ حال اور درماندہ نظر آتا ہے وہ تقریباً نابینا ہو چکا ہے اس کی صرف ایک آنکھ باقی ہے اور وہ لنگڑا بھی ہے" (۱۶)

رضوی صاحب نے ۱۸۵۷ء میں شہزادہ کے مکہ جانے کی تغلیط کی ہے اور اپنے موقف کے اثبات میں دلیل بھی پیش کی ہے لیکن نہ جانے پھر انھوں نے کیوں اپنے قول کی خود ہی تردید کر دی چنانچہ مذکورہ بالا بیان کے بعد لکھتے ہیں "جون ۱۸۵۸ء میں شہزادہ مکہ معظمہ چلا گیا اور بالآخر اسی مقدس سرزمین پر ۱۷ دسمبر ۱۸۷۷ء کو ہمیشہ کے لئے سو گیا" (۱۷)

بہر حال رضوی صاحب کا بھی ایک بیان ہے جس میں وہ شہزادے کو بہت سے ممالک کی سیر کرتا دکھا کر آخر میں مکہ معظمہ پہونچاتے اور ۱۸۷۷ء میں اس کے وصال کی خبر دیتے ہیں۔ جبکہ مولانا محمد میاں صاحب مکہ میں ۱۸۷۷ء میں اس کے فوت ہونے کی اطلاع دیتے ہیں اور مفتی انتظام اللہ شہابی اسے مکہ کے اندر ۱۹۱۵ء تک زندہ بتاتے اور اس کے بعد انتقال کی خبر دیتے ہیں لیکن اس کے برخلاف مولانا غلام رسول مہر ایک چشم دید گواہ ۱۹۱۹ء کے لئے پیش کرتے کہ فیروز شاہ اس وقت تک حیات تھا خیال ہے کہ جن لوگوں نے فیروز شاہ کے مکہ معظمہ میں فوت ہونے کی اطلاع دی ہے ان میں سے ہر ایک کی حقیقت مہر صاحب کے دوست اولاد علی شاہ گیلانی کے بیان سے واضح ہو جاتی ہے اور ہم نے جو موازنہ فیروز شاہ اور ابوالحسن کا کیا ہے یہ اس کی تائید کرتا ہے اس طرح اب ہم ایک اور بیان کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔

نواں بیان۔ یہ بیان مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں میواتی علماء کی تحریری اور زبانی یادداشتوں سے ماخوذ ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ شہزادہ غیر ممالک کے سفر سے واپس آیا اور تقریباً چالیس سال تک میوات میں مقیم رہا اب اسے شاید کسی قدر مایوسی ہو چکی تھی اس لئے اس نے دوڑ دھوپ میں کمی کر دی اور مذہبی زندگی گذارنے لگا اس کی مذہبی زندگی بھی کتاب و سنت کی پیروی کی زندگی تھی۔ اس نے مولوی محمود الحسن دیوبندی سے ایک بار مناظرہ کرنے کے لئے فیروزپور جھرکہ میں بھی حاضری دی اس وقت آپ اسے اچھی طرح جانتے اور اسے ایک عالم سمجھتے تھے اس کی علمی زندگی قابل رشک تھی لیکن اس نے اپنے آپ کو کبھی کسی آدمی پر ظاہر نہیں ہونے دیا کیونکہ اسے کچھ سکون سے رہنا تھا اور اب وہ سیاست سے بیزار ہو کر مذہبی آدمی بن چکا تھا اس کی وفات موضع بھونری ضلع بھرتپور میوات میں ۱۹۳۱ء سے

۱۹۳۲ء تک میں کسی وقت ہوئی وفات کے وقت اس کی عمر سو سال سے کچھ متجاوز تھی۔ (۱۸)

حوالہ جات

(۱) قیصر التواریخ ۲/۲۹۵ (۲) غدر کے چند علماء ص ۱۳۳

(۳) بلکہ ہم اسے ۱۹۳۰ء تک زندہ پاتے ہیں بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ۔

(۴) ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۱۲۰ و ۱۲۱ (۵) قیصر التواریخ ۲/۹۵ ۳ بحوالہ ۱۸۵۷ء کے مجاہد

(۶) گذر چکا ہے کہ وسط اگست میں شہزادہ مالوہ میں تھا۔ اس لئے جولائی کے بجائے اگست کے بعد کا مہینہ اگر مان لیا جائے تو زنجیر کی ایک کڑی دوسری کڑی سے مل سکتی ہے، راوی نے غالباً کے ذریعہ یہ وسعت خود ہی پیدا کر دی ہے۔

(۷) تاریخ میو چھتری ص ۳۸۶ تا ۳۸۴ (۸) تاریخ میو چھتری ص ۳۸۴

(۹) حوالہ مذکور (۱۰) میل سن ۵/۲۵۸

(۱۱) غدر کے چند علماء ص ۱۳۵۔ یہاں صرف یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مولانا شاہ اسحٰق ۱۸۵۷ء سے بارہ سال پیشتر فوت ہو چکے تھے (مہر)

(۱۲) قیصر التواریخ ۲/۴۶۸۔

(۱۳) ۱۸۵۷ء کے مجاہد ص ۱۲۷ و ۱۲۸

(۱۴) ٹائمس آف کراچی ۱۴ مارچ ۱۹۵۴ء بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی ۴/۳۸۳

(۱۵) ۱۸۵۷ء ص ۳۱۹

(۱۶) فارن ڈپارٹمنٹ ۱۰۰۵/۶ بحوالہ سین ص ۳۰۸ بحوالہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۳۴۴

(۱۷) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء ص ۳۴۴

(۱۸) تاریخ میو چھتری ص ۳۸۲ مسودہ تحریک اہل حدیث میوات نیز لوگوں کے زبانی بیانات